ساورکر پر پھر اٹھے سوالات

فرقہ پرست طاقتیں ایک طرف بھارت کی اقلیتوں کی حب الوطنی پر سوال کھڑا کرتی ہیں تو دوسری طرف برطانیہ کی ایک اقلیت ہندو کی کامیابی پر جشن منا رہی ہیں!

ابھے کمار

جیسے ہی یہ خبر آئی کہ رشی سونک برطانیہ کے نئے وزیراعظم کے منصب پر فائز ہو ئے ہیں، ویسے ہی بھگوا طاقتوں نے ان کے تعلقات کو ہند نژاد سے منسوب کرنا شروع کردیا ۔ ۲۶ ؍اکتوبر کو آر ایس ایس کے ترجمان ہندی ہفت روزہ ’پانچ جنیہ‘ میں شائع ایک مضمون میں سونک کی کامیابی کو کچھ یوں بیان کیا گیا: ’وزیراعظم کے طور پر ان کے پہلے خطاب میں ان کے ہاتھوں میں مقدس لال ہندو کلاوا دیکھ کر ہر ہندوستانی کا سر فخر سے بلند ہوگیا‘۔ آگے کی سطر میں سونک کی ۲۰۱۷ کی ایک تقریر کے چھوٹے سے اقتباس کو پیش کیا گیا ہے: اب میں برطانیہ کا شہری ہوں۔ مگر میرا مذہب ہندو ہے۔ میری مذہبی اور ثقافتی وراثت ہندوستانی ہے۔ میں فخر سے کہتا ہوں کہ میں ہندو ہوں اور میری پہچان بھی ہندو ہے‘۔ غور کیجیے کہ ان چار جملوں میں تین بار ’ہندو‘ لفظ کا استعمال کیا گیا ہے، جبکہ صرف ایک بار ہی ’ہندوستانی‘ لفظ آیا ہے۔ یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سونک نے واقعی ایسا کوئی بیان دیا تھا، مگر ’پانچ جنیہ‘ نے ان جملوں کو بڑی ترجیحات کے ساتھ جگہ دی اور اپنی اصلی سوچ ظاہر کردی کہ ان کے نزدیک ہندو مذہبی تشخص بھارت کی قومی پہچان سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ حالانکہ جب بات اقلیتوں کی آتی ہے تو بھگوا جماعتیں اپنا رویہ بدل دیتی ہیں اور ان سے یہ سوال پوچھتی ہیں: ’آپ پہلے بھارتیہ ہیں یا مسلمان؟‘

برطانوی سماج، جہاں کی غالب اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ وہاں پر ایک ہندو کا وزیراعظم بننا ہندوتو کے نظریہ ساز ساورکر کی معنویت پر پھر سوالات کھڑے کرتا ہے۔ یاد رہے کہ یوروپ میں جدید ریاست کے قیام اور نظریہ حریت پسندی کے عروج کے بعد تصور شہریت میں ایک زبردست تبدیلی آئی۔ قومی ریاست کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق فراہم کیے گئے، جس کا ضامن ملک کا آئین بنا۔ حریت پسندی میں شخصی آزادی کو مقدس مانا گیا اور ریاست کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ انسان کی نجی زندگی میں دخل دے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ریاست ملک کے تحفظات کا بہانہ بنا کر اکثر شخصی آزادی پر حملہ کرتی ہے۔ جدید سیاست نے مذہب اور سیاست کو جدا کیا۔ پھر جدید ریاست کا تشخص سیکولر بن گیا۔ یہاں سیکولر کا مطلب مذہب سے عداوت نہیں تھی بلکہ حکومت پر یہ پابندی عائد کی گئی کہ وہ مذہب کی بنیاد پر کوئی پالیسی نہ بنائے اور اپنے تمام شہریوں کو یکساں حقوق فراہم کرے۔ پھر جدید سیاست میں شہریت کو خطہ سے منسوب کیا گیا۔ مطلب یہ کہ ملک میں مقیم تمام شہریوں کے حقوق یکساں دیے گئے کیونکہ وہ ایک ملک کے باشندہ ہیں۔ ذات، دھرم، نسل، جنس جیسے پیدائشی تشخص کو ریاست نے قانون کی کتاب میں نظرانداز کیا۔

برطانیہ کے نومنتخب وزیراعظم سونک کا مذہبی عقیدہ ہندومت کہا جارہا ہے، جبکہ برطانیہ کی اکثریت عیسائیوں کی ہے۔ چونکہ برطانوی ریاست نے شہریت سے وابستہ حقوق کو خطہ سے منسوب کیا ہے، اس لیے ایک ہندو کو اعلیٰ منصب پر فائز ہونے میں کوئی قانونی رکاوٹ نہیں آئی۔ مگر ہندوتوا کے نظریہ ساز وی ڈی ساورکر کا نظریہ شہریت خطہ اور حریت پسندی پر مبنی شہریت سے مختلف ہے۔ حالانکہ ساورکر کے نظریہ کو ثقافت سے جوڑ کر پیش کیا جاتا ہے، مگر اصل میں ان کی سوچ نسلی اور مذہبی امتیازات سے متاثر تھی۔ تضاد دیکھیے کہ بھگوا طاقتیں دن رات بھارتی کی بات کرتی ہیں اور اپنے حریفوں پر یہ الزامات عائد کرتی ہیں کہ وہ بھارت کی تاریخ، تہذیب اور ثقافت کو اپنانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔ مگر خود ساورکر یوروپ بالخصوص جرمنی کی نسل اور مذہب پر مبنی قومیت کے بڑے قائل تھے۔ وہ برطانوی مفکر ہربرٹ اسپینسر کے پیروکار تھے۔

”

کیا فرقہ پرست جماعتوں کے پاس اس بات کا جواب ہے کہ اگر بھارت کی کوئی اقلیت مسلمان اور عیسائی شک کے دائرے میں اس لیے ہے کہ ان کے مقدس مقامات عرب اور فلسطین میں ہیں تو پھر کیسے ایک برطانوی ہندو شہری، جس کے مذہبی مقامات کاشی اور متھرا میں واقع ہیں، برطانیہ کا سچا دیش بھکت ہوسکتا ہے؟ مگر رشی سونک کو جس طرح برطانیہ کی اکثریت عیسائی آبادی نے گلے لگایا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ساورکر کا نظریہ شہریت اخوت کی راہ میں بڑا پتھر ہے۔

اسپینسر کی فکر کہیں سے بھی غریب پَرور نہیں تھی، بلکہ وہ فرد اور سائنس کو مذہب پر فوقیت دیتے تھے۔ دوہری سیاست کی اور کیا مثال ہوگی کہ اسپینسر کے پیروکار کے وارثین بھارت میں دن رات مذہب کی اہمیت اور ہندوستانی ثقافت کی عظمت کا ورد کرتے رہتے ہیں۔ بی جے پی اپنے حریفوں پر بھارت مخالف ہونے کا الزام لگاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کے بانی کی فکر کا سرچشمہ خود یوروپ کے نسل پرستی کو فروغ دینے والے مفکرین سے ملتا ہے۔ ملک کی یہ بدقسمتی ہے کہ ساورکر نے نسل اور مذہب پر مبنی شہریت کے نظریہ کو یوروپ سے نقل کیا اور اس لعنت کو بھارت پر تھوپ دیا، جس کا نقصان ہمارا سماج آج بھی جھیل رہا ہے۔ یوروپ میں نسلی اور مذہبی تعصب پر مبنی شہریت اور قومیت نے دوسری عالمی جنگ کو جنم دیا، جبکہ بھارت میں ان امراض نے ملک کے دو حصے کیے۔ پھر ہزاروں لوگوں کی جانیں گئیں۔ تقسیم ملک کے بعد بھی یہ مذموم نظریات نفرت اور فسادات کے لیے زمین تیار کرتے رہے ہیں۔

حالانکہ بھارت کے آئین میں خطہ اور حریت پسندی پر مبنی شہریت کا تصور پایا جاتا ہے۔ ذات، دھرم، جنس اور علاقہ کے نام پر امتیازات قانون کی کتاب میں موجود نہیں ہیں، مگر ساورکر آئین کے نظریہ شہریت کے مخالف تھے۔ فرقہ پرست جماعتیں اس سچائی کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں کہ ان کے بانی کا نظریہ شہریت نسل پرستی اور مذہبی امتیازات سے متاثر ہے۔ ساورکر کی فکر جمہوریت اور اقلیتوں کے مفاد کے بھی خلاف ہے۔ جہاں بھارت کا آئین تمام شہریوں کو یکساں حقوق فراہم کرتا ہے، جس کی وجہ سے ملک کے بڑے سے بڑے منصب پر اقلیتی برادری کے لوگ فائز ہوئے ہیں، وہاں ساورکر کا تصور شہریت فرقہ پرستی پر مبنی ہے۔ ساورکر کی اسی منفی سوچ سے بیمار فرقہ پرست جماعتیں مسلمانوں اور عیسائیوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور یہ بات قبول کرنے کی ہمت نہیں رکھتیں کہ ملک کی تقسیم سے تین دہائی پہلے ہی ساورکر نے مذہب پر مبنی شہریت کی بات کی تھی۔ ۱۹۲۳ میں شائع کتاب ’ہندوتو‘ میں ساورکر نے خطہ اور سیکولر بنیاد پر مبنی شہریت کو پوری طرح سے خارج کرتے ہوئے نسل پرستی پر مبنی شہریت کا تصور ان الفاظ میں بیان کیا: ”مسلمان اور عیسائیوں کے ’مقدس مقامات یہاں سے بہت دور عرب اور فلسطین میں واقع ہیں۔ ان کے پیشوا، نظریات، ہیرو، اس سرزمین سے نہیں نکلے ہیں۔ اس طرح ان کے نام اور ان کے نقطہ نظر سے بیرونیت کی بو آتی ہے۔ ان کی حب الوطنی منقسم ہے“ (ص ۹۲)‘۔ یہاں ساورکر نے صاف لفظوں میں بیان کردیا ہے کہ جس شخص کے مقدس مقامات بھارت سے باہر ہیں، وہ بھارت کا سچا محب وطن یا شہری نہیں ہوسکتا۔ اس طرح ساورکر نے مسلمانوں اور عیسائیوں کو دوئم درجہ کا شہری سمجھا ہے۔ جب فرقہ پرست طاقتیں اقلیتوں کو اپنی پارٹی کے بڑے منصب پر بیٹھانے سے گریز کرتی ہیں یا پھر ان کو سرکاری اداروں سے باہر رکھنے کی سازش کرتی ہیں تو ان کے دماغ میں ساورکر کی یہی باتیں کارفرما ہوتی ہیں۔ بعض اوقات بھگوا جماعت کے بڑے لیڈر مسلمانوں سے حق رائے دہندگی کو واپس لینے کا بھی بیان جاری کرچکے ہیں۔ این آر سی اور سی اے اے کے پیچھے ساورکر کی یہی فکر کام کررہی تھی۔

بھگوا طاقتوں کی دوہری سیاست دیکھیے کہ ایک طرف وہ بھارت کے اقلیت مسلمان اور عیسائیوں کی حب الوطنی پر سوال کھڑا کرتی ہیں، وہیں دوسری طرف برطانیہ کے ایک اقلیت ہندو کی سیاسی کامیابی پر جشن منا رہی ہیں۔ تصور کیجیے کہ ساورکر کے نظریہ شہریت کو کوئی برطانوی عیسائی شہری استعمال کرے اور وہاں کے ہندوؤں سے حب الوطنی کی سند طلب کرے تو یہ کتنا برا ہوگا! کیا فرقہ پرست جماعتوں کے پاس اس بات کا جواب ہے کہ اگر بھارت کی کوئی اقلیت مسلمان اور عیسائی شک کے دائرے میں اس لیے ہے کہ ان کے مقدس مقامات عرب اور فلسطین میں ہیں تو پھر کیسے ایک برطانوی ہندو شہری، جس کے مذہبی مقامات کاشی اور متھرا میں واقع ہیں، برطانیہ کا سچا دیش بھکت ہوسکتا ہے؟ مگر رشی سونک کو جس طرح برطانیہ کی اکثریت عیسائی آبادی نے گلے لگایا ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ساورکر کا نظریہ شہریت اخوت کی راہ میں بڑا پتھر ہے۔ یہ بہت ہی خوشی کی بات ہے کہ بھارت کے معماران آئین نے ساورکر کے نظریہ شہریت کو کبھی قبول نہیں کیا اور ملک کی تشکیل سیکولر بنیاد پر کی۔ مگر خطرہ اس بات کا ہے کہ جو لوگ نسل اور مذہب کی سیاست میں یقین رکھتے ہیں وہ آج اقتدار پر قابض ہیں۔ ■

مضمون نگار جے این یو سے تاریخ میں پی ایچ ڈی ہیں

debatingissues@gmail.com